13

وہی قوم زندہ کہلانے کی مستحق ہے جو اپنی خوبیوں میں دوسروں سے بلند اور ممتاز ہو

(فرمودہ 20 مئی 1949ء بمقام لاہور)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''قرآن کریم میں بار بار یہ مضمون دہرایا گیا ہے کہ کیا مُردے زندوں کے برابر ہو سکتے ہیں؟ 1 بظاہر یہ ایک چھوٹا سا فقرہ ہے اور بظاہر یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے ہر شخص واقف ہے لیکن اگر سوچا جائے تو یہی چھوٹا سا مضمون اکثر اوقات دنیا کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور اکثر اوقات قومیں اس چھوٹی سی چیز کو نظر انداز کر دینے کی وجہ سے اپنے مقام کو کھو بیٹھتی ہیں۔ دنیا میں اپنے مقام کو قائم رکھنے بلکہ سابق معیار سے اونچا ہونے کے لیے سہل ترین اور سب سے آسان ذریعہ یہی ہوا کرتا ہے کہ انسان اپنے اس مقام کی کیفیت کو یاد رکھے جس پر وہ کھڑا ہو۔ یہی بات یاد رکھنے سے انسان کی اس جدوجہد میں تیزی پیدا ہوتی ہے جو اپنے مقام کو قائم رکھنے کے لیے وہ کیا کرتا ہے۔

مجھے خوب یاد ہے حضرت خلیفۃ المسیح الاول جب کوئی ایسی بات دیکھتے جو ان کے خیال میں ہمیں نہیں کرنی چاہیے تھی تو وہ یہ فقرہ کہا کرتے تھے کہ میاں! تمہیں معلوم ہے کہ تم کس کے

بیٹے ہو۔ بس اس فقرہ میں سارا مضمون آ جاتا تھا۔ یعنی کسی کا بیٹا ہونے کی وجہ سے بھی انسان پر بعض ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور اس کے فعل کو لوگ اس کے باپ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ چنانچہ کبھی تو والدین کے افعال بیٹوں کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور کبھی بیٹوں کے افعال والدین کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور اس طرح وہ ایک دوسرے کی نیک نامی یا بدنامی کا موجب ہوتے ہیں۔ اس فقرہ میں اس مضمون کی طرف اشارہ ہوتا تھا اور اس کے معنے ہم سمجھتے تھے کہ کیا ہیں۔

کہتے ہیں کوئی شخص کفن چور تھا۔ جب کوئی آسودہ حال شخص مرتا تو وہ اس کی قبر کھود کر کفن چُرا لیا کرتا اور مُردہ کو دوبارہ قبر میں گاڑ کر اس پر مٹی ڈال دیتا۔ اس کفن چور کا لڑکا اس کی نسبت زیادہ شریف تھا اور اپنے باپ کے پیشے سے احتراز کیا کرتا تھا۔ جب باپ مرا اور کفن چوری بند ہوگئی اور مُردوں کی ہتک جاتی رہی تو لوگوں نے سمجھ لیا کہ کفن چور فوت ہو گیا ہے۔ اس کفن چور کے متعلق کسی شخص کو معلوم تو تھا نہیں کہ وہ کون ہے کیونکہ وہ یہ کام چوری چُھپے کرتا تھا اور اس کے بیٹے کے متعلق بھی کوئی یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کون ہے۔ اور آیا وہ بھی کفن چور ہے یا نہیں۔ بیٹا یہ جانتا تھا کہ اُس کا باپ کفن چور تھا۔ جب وہ فوت ہو گیا تو لوگ آپس میں باتیں کرنے لگے کہ اچھا ہوا وہ مر گیا۔ اس کا بیٹا جو کفن چور نہیں تھا جب یہ باتیں سنتا تو یہ الفاظ اُس پر گراں گزرتے۔ ایک دفعہ وہ اپنے ایک دوست کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ اس اس طرح واقعہ ہوتا ہے اور میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی شخص میرے باپ کو خواہ وہ کیسا ہی تھا گالیاں دے۔ مجھے کوئی ایسا علاج بتاؤ جس کے ذریعہ میں ان باتوں سے نجات حاصل کر سکوں۔ اس نے کہا کچھ دن تم بھی یہ کام کر لو۔ تمہارے باپ کے عیوب چُھپ جائیں گے لیکن ایسا کام کرو جو پہلے سے زیادہ سخت ہو۔ اُس نے اس نصیحت پر عمل کیا اور کفن چوری کا کام شروع کر دیا۔ اس نے یہ کام کسی بُری نیت سے نہیں کیا بلکہ اپنے باپ کے عیوب چھپانے کے لیے یہ کام شروع کیا۔ وہ کفن چُرا لیتا اور مُردے کو ننگا چھوڑ کر آ جاتا۔ اس کا باپ تو کفن اُتار کر مُردے کو دوبارہ قبر میں دفن کر دیتا تھا لیکن وہ یونہی آ جاتا۔ جب مُردوں کی دوبارہ ہتک ہونے لگی، جب چیلیں انہیں نوچتیں، کُتّے اُن پر حملہ آور ہوتے تو لوگ دعا کرتے کہ خدا فلاں شخص پر رحم کرے وہ کفن چور تو تھا مگر ہمیشہ مُردوں پر مٹی ڈال دیا کرتا تھا۔ اب پتا لگا ہے کہ وہ کتنا شریف انسان تھا۔ اس طرح آہستہ آہستہ اس کے عیوب چُھپ گئے اور لوگوں نے اسے گالیاں دینا

اور بُرا بھلا کہنا چھوڑ دیا۔ جب اس کے بیٹے نے دیکھا کہ اب لوگوں نے اسے گالیاں دینا چھوڑ دیا ہے تو اس نے بھی کفن چوری ترک کر دی۔ غرض اس طرح بدنامیوں اور نیک نامیوں کا سلسلہ چلتا ہے۔ اگر کسی میں کوئی عیب ظاہر طور پر پایا جاتا ہے تو وہ اس کی طرف منسوب ہوتا ہے اور اگر وہ عیب باطنی ہوتا ہے تو لوگ ایسی باتیں سنتے ہی بے نام گالیاں دینا شروع کر دیتے ہیں۔ اسی طرح خوبیاں ہیں۔ اگر کسی میں کوئی خوبی ظاہری طور پر پائی جاتی ہے تو لوگ اس کی تعریفیں کرتے ہیں لیکن اگر وہ خوبی باطنی ہوتی ہے تو لوگ بے نام تعریفیں کرتے ہیں لیکن اس قاعدہ سے لوگ فائدہ نہیں اٹھاتے۔

قرآن کریم میں جب یہ کہا گیا کہ مُردہ زندہ کے برابر نہیں ہوسکتا تو اس کا سیاق وسباق بتاتا ہے کہ مُردہ وہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتا۔ یہ ایک دلیل ہے جو خدا تعالیٰ نے کفار کے مقابلہ میں ان کے جھوٹا ہونے کے لیے دی۔ بلکہ یہ ایک طنز ہے جو مسلمان کے لیے عبرت کا ایک کوڑا ہے جو مُردہ زندہ کے برابر نہیں ہوسکتا۔ یعنی ایک غیر مسلم کسی خوبی میں اور کسی میدان میں بھی ایک مسلمان کے برابر نہیں ہوسکتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں یہ جو کہا گیا ہے کہ مُردہ زندہ کے برابر نہیں ہوسکتا اگر اس کے یہی معنی ہیں کہ ایک غیر مسلم ایک مسلمان کے برابر خوبیاں نہیں رکھ سکتا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر آپ کے جاننے والے کے برابر نہیں ہوسکتا تو بظاہر یہ درست نظر نہیں آتا کیونکہ آج ہر خوبی میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر مسلمان سے زیادہ اچھا نظر آتا ہے۔ صداقت اس میں زیادہ پائی جاتی ہے، محنت اس میں زیادہ پائی جاتی ہے، احساسِ قومی اس میں زیادہ پایا جاتا ہے، ایثار اور قربانی میں وہ ایک مسلم سے زیادہ اچھا ہے، رحم اس میں زیادہ پایا جاتا ہے، انصاف اس میں زیادہ پایا جاتا ہے، پاکیزگی اس میں زیادہ پائی جاتی ہے، غیرت اس میں زیادہ پائی جاتی ہے۔ غرض وہ تمام اخلاقِ فاضلہ جن کو قرآن کریم بیان کرتا ہے اور اس رنگ میں بیان کرتا ہے کہ گویا وہ ایک مسلمان کی جائداد ہیں اور جن کی نسبت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کَلِمَةُ الْحِکْمَةِ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ اَخَذَهَا حَيْثُ وَجَدَهَا۔[2] اے مخاطب! اچھی باتوں کے متعلق تم کیا پوچھتے ہو یہ تو مومن کا کھویا ہوا مال ہیں۔ اسے جہاں کہیں یہ چیزیں ملیں وہ انہیں جھپٹ کر لے جائے۔ یعنی کوئی حُسن ایسا نہیں، کوئی خوبی

ایسی نہیں جسے یہ اپنے غیر کے پاس جانے دے۔ گویا اس کا مطلب یہ تھا کہ ہر خوبی اور ہر حُسن کے مالک مسلمان ہی ہوں گے لیکن اب تو یہ ہے کہ کَلِمَۃُ الْحِکْمَۃِ، مسلمان کے لیے نفرت کی جگہ ہے اور اس کی حد سے زیادہ ناپسندیدہ چیز ہے۔ اگر یہ اس کی جیب میں بھی ہو تو وہ اسے پھینک دیتا ہے۔ اگر یہ اس کے گھر میں بھی ہو تو وہ اسے نکال دیتا ہے اور جب تک وہ اسے اپنے سے جُدا نہ کرے اُسے چین نہیں آتا۔ مگر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کیا مُردے زندوں کے برابر ہو سکتے ہیں؟ اب یا تو یہ کہنا پڑے گا کہ کبھی بھی ایک مسلمان اِس درجہ تک نہیں پہنچ سکا جس کی طرف اس فقرہ میں اشارہ کیا گیا ہے اور یا یہ ماننا پڑے گا کہ آج کا مسلمان وہ مسلمان نہیں رہا جس کے متعلق یہ فقرہ استعمال کیا گیا ہے لیکن پُرانے مسلمان کے متعلق یہ فقرہ صحیح اور درست تھا۔ گویا آج کا مسلمان عملاً مسلمان ہی نہیں کہ اس کے متعلق یہ فقرہ کہا گیا ہو۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہنا پڑے گا کہ قرآن کریم نے یہ کہا ہے کہ مُردے زندہ کے برابر نہیں ہو سکتے۔ مگر یہ نہیں کہا کہ مُردوں مُردوں میں بھی فرق نہیں ہوتا۔ پہلے مسلمان زندہ تھے اور غیر مسلم زندہ نہیں تھے۔ لیکن اب یہ بھی مُردہ ہیں اور وہ بھی مُردہ ہیں۔ یہ بھی حقیقت سے دُور ہیں اور وہ بھی حقیقت سے دُور ہیں لیکن مُردوں مُردوں میں بھی فرق ہوتا ہے۔ دو تین دن کا مُردہ تازہ مُردہ کے برابر نہیں ہوسکتا۔ تین چار دن کا مُردہ تو سڑ رہا ہوگا اور اس میں سے بدبو آرہی ہوگی اور تازہ مُردہ اُس سے بہر حال اچھا ہوگا۔ خواہ وہ مُردہ ایک مسلمان کا ہو یا ایک عیسائی کا ہو۔ ایک مسلمان کے مُردے میں بھی سڑ جانے کے بعد کیڑے پڑ جائیں گے اور ایک عیسائی کے مُردہ جسم میں بھی سڑ جانے کے بعد کیڑے پڑ جائیں گے۔ گویا اب یہ کہنا پڑے گا کہ قرآن کریم نے یہ تو کہا ہے کہ مُردے زندوں کے برابر نہیں ہوسکتے مگر یہ نہیں کہا کہ مسلمان ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ اور اگر یہ نہیں کہا کہ مسلمان ہمیشہ زندہ رہیں گے تو اس کے یہ معنے ہوں گے کہ وہ بھی کسی وقت مُردہ ہوجائیں گے اور قرآن کریم نے یہ کب کہا ہے کہ مُردوں مُردوں میں فرق نہیں ہوسکتا۔ ایک مسلمان کا مُردہ بھی خراب ہوسکتا ہے۔ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ مسلمان صداقت سے بے بہرہ ہو کر کبھی زیادہ خراب ہو جائیں گے اور کبھی کم۔ لیکن بہر حال جو قوم اپنے آپ کو زندہ سمجھتی ہے اُس کو مُردوں کے مقابلہ میں اپنے کیریکٹر کا معیار زیادہ اچھا رکھنا پڑے گا۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ وہ زندہ بھی ہو اور اس میں اتنی سچائی نہ پائی جائے جتنی مُردوں میں پائی جاتی ہے۔ یہ نہیں

ہوسکتا کہ وہ زندہ بھی ہو اور اس میں اتنی محنت نہ پائی جاتی ہو جتنی مُردوں میں پائی جاتی ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ زندہ بھی ہو اور اس میں اتنا رحم نہ پایا جائے جتنا مُردوں میں پایا جاتا ہے۔ اگر تم اپنے آپ کو زندہ سمجھتے ہو تو تمہارا معیارِ انصاف، تمہارا معیارِ رحم، تمہارا معیارِ عدل، تمہارا معیارِ سلوک اور تمہارا معیارِ احسان اور رحم بہرحال مُردوں سے زیادہ بالا ہوگا۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ تمہیں زندہ کہا جائے۔ آخر مُردہ کے یہاں یہ معنی تو نہیں کہ اس کی رُوح نِکل گئی ہو، اس کی آنکھ دیکھ نہ سکتی ہو، اس کے کان سُن نہ سکتے ہوں اور اس کا جسم حرکت نہ کر سکے۔ اور نہ زندہ کے یہ معنی ہیں کہ اس کا جسم حرکت کرتا ہو، اس کی آنکھیں دیکھتی ہوں، اس کے کان سُنتے ہوں اور اس کے ساتھ ارتقاء اور تنزل کا سلسلہ لگا ہوا ہو۔ یہاں وہ معنی مراد نہیں۔ یہاں اس سے روحانیت کا نکل جانا مراد ہے، اخلاقِ فاضلہ کا مِٹ جانا مراد ہے۔ اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تمہارے اندر روحانیت بھی نہ ہو، تمہارے اندر اخلاقِ فاضلہ بھی نہ پائے جائیں اور پھر تمہیں زندہ کہا جائے اور تمہارے دشمن کو جس میں یہ خوبیاں پائی جاتی ہیں مُردہ کہا جائے۔ اور اگر وہ باتیں تم میں بھی پائی جاتی ہوں لیکن تم اپنے دشمن سے پیچھے رہ گئے ہو تب بھی اس کے مقابلہ میں تمہیں زندہ نہیں کہا جاسکتا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ مُردہ تو چلتا ہو اور زندہ سارا دن ایک جگہ پڑا رہے۔ مُردہ تو آنکھیں کھولتا ہو اور دیکھتا ہو مگر یہ نہ دیکھتا ہو، مُردہ سُنتا ہو خواہ وہ کچھ اونچا ہی سُنتا ہو لیکن سُنتا ضرور ہو مگر یہ نہ سُنتا ہو۔

یہ تو ویسے ہی حماقت ہوگی جیسے ہمارے سکول کے بعض لڑکوں نے کی۔ جب ہم سکول میں پڑھا کرتے تھے اُس زمانہ میں ہمارا سکول چھوٹا سا تھا اور ہیڈ ماسٹر اور بورڈنگ کا سپرنٹنڈنٹ ایک ہی تھا۔ سکول میں تھوڑے سے لڑکے تھے۔ ایک دن اس کے اسسٹنٹ سے کسی نے شکایت کی کہ عشاء کی نماز میں بورڈنگ کے لڑکے بہت تھوڑے آتے ہیں۔ یہ شکایت زیادہ پھیلی اور ہیڈ ماسٹر کے کانوں تک بھی پہنچی۔ اس نے اصل انچارج سے پوچھا کہ لڑکے عشاء کی نماز میں کیوں نہیں جاتے؟ انچارج نے کہا لڑکے نماز میں جاتے تو ہیں لیکن بڑے جاتے ہیں اور چھوٹے لڑکے سو جاتے ہیں اور میں انہیں چھوڑ جاتا ہوں۔ ہیڈ ماسٹر نے پوچھا ایسے لڑکے کتنے ہیں جو نماز میں نہیں جاتے؟ اس نے کہا اُنیس۔ ہیڈ ماسٹر نے کہا اچھا مَیں کسی دن آؤں گا اور دیکھوں گا کہ کون کون لڑکے نماز میں نہیں جاتے۔ وہ ایک دن بورڈنگ میں گئے۔ لڑکے سو رہے تھے۔ وہ پائنتی کی طرف

کھڑے ہو گئے۔ ہیڈ ماسٹر نے انچارج سے دریافت کیا تم کس طرح خیال کرتے ہو کہ یہ لڑکے سو رہے ہیں؟ اس نے کہا میں انہیں جگاتا ہوں اور یہ نہیں ہلتے۔ ہیڈ ماسٹر نے کہا واہ! یہ بھی کوئی پہچان ہے۔ سچ مُچ سونے والوں اور بناوٹی سونے والوں میں یہ فرق ہوتا ہے کہ بناوٹی سونے والوں کے بدن میں کوئی حرکت نہیں ہوتی لیکن جو سچ مُچ سو جاتے ہیں ان کے دائیں پاؤں کا انگوٹھا ہلتا رہتا ہے۔ سترہ لڑکے جاگ رہے تھے اور بناوٹ کر رہے تھے۔ انہوں نے یہ سنتے ہی اپنا دائیں پاؤں کا انگوٹھا ہلانا شروع کر دیا تا وہ یہ ثابت کریں کہ وہ سچ مُچ سوئے ہوئے ہیں۔ جس طرح اُن لڑکوں نے اپنے سونے کی علامت پاؤں کا انگوٹھا ہلنا سمجھا حالانکہ سونے والا حرکت نہیں کرتا۔ اِسی طرح تم بھی یہ خیال کرتے ہو کہ روحانیت تم میں نہ پائی جائے۔ اخلاقِ فاضلہ تم میں نہ پائے جائیں، انصاف تم میں کم ہو، عدل تم میں کم ہو، پاکیزگی تم میں کم ہو، دیانت اور امانت تم میں کم ہو اور پھر روحانی طور پر تم زندہ بھی ہو۔ لیکن جس میں یہ سب چیزیں پائی جاتی ہوں وہ مُردہ ہو۔ یہ تعریف ایسی ہی ہے جیسی اُس ہیڈ ماسٹر نے کی کہ جو سچ مُچ سو جاتے ہیں اُن کے دائیں پاؤں کا انگوٹھا ہلتا رہتا ہے اور جو بناوٹی طور پر سو رہے ہوتے ہیں، اُن کا سارا جسم ساکت ہوتا ہے۔ یہ کیسی ہنسی والی بات ہے۔ لیکن کیا تم نے کبھی اپنے نفس پر بھی غور کیا ہے؟ ہم کہتے تو یہ ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر ہم زندہ ہو گئے اور ایک غیر مسلم ہمارے برابر نہیں ہوسکتا لیکن کیا ہم اخلاق میں بھی اس سے بڑھ کر ہیں؟ اگر ہم اخلاق میں اس سے بڑھ کر نہیں تو پھر ہم بھی مُردہ ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے ہمارے دشمن میں قربانی کا احساس زیادہ پایا جاتا ہو۔ اُسے وقت کو صحیح طور پر استعمال کرنے کی عادت ہو، وہ آپس کے معاملات کو ہم سے زیادہ اچھی طرح طے کر سکتا ہو، اُس میں دیانت وامانت ہم سے زیادہ پائی جاتی ہو لیکن زندہ ہم ہوں اور وہ مُردہ۔ اگر تمہاری صحبت دنیا تلاش نہیں کرتی، اگر تمہارے پاس بیٹھنے کو وہ نعمت قرار نہیں دیتی اور تمہاری دوستی کو وہ خدا تعالیٰ کا ایک فضل قرار نہیں دیتی تو تم زندہ کیونکر ہو اور تمہارا دشمن مُردہ کیونکر ہے؟ ہاں! اگر تمہارے اخلاقِ فاضلہ تمہیں ایک نمایاں حیثیت دے دیتے ہیں، اگر تم کو دیکھنے والا یہ محسوس کرتا ہے کہ تم میں اور تمہارے غیر میں بڑا بھاری فرق ہے، اگر تمہیں اس کے ہمسائے کے پاس کھڑا کر دیا جائے اور پھر اس سے پوچھا جائے کہ کیا تم ان دونوں کو برابر سمجھتے ہو؟ تو وہ بے ساختہ کہہ دے کہ یہ ہو کیسے ہوسکتا ہے۔

دوسروں کی اس کے سامنے حیثیت ہی کیا ہے اِن کے اخلاق کُجا اور اُن کے اخلاق کُجا۔ تو پھر بے شک تمہارا دعویٰ صحیح ہوسکتا ہے کہ ہم زندہ ہیں اور مُردہ زندہ کے برابر نہیں ہوسکتا۔ لیکن اگر ایسا نہیں تو پھر دو باتوں میں سے ایک ضرور ہوگی۔ یا تو وہ سلسلہ جس میں تم داخل ہوئے ہو نَعُوْذُ بِاللّٰہِ جھوٹا ہے اور تمہارا یہ دعویٰ غلط ہے کہ وہ سلسلہ تمہیں زندگی دیتا ہے۔ اور یا وہ سلسلہ تو سچا ہے لیکن تم جھوٹے ہو کیونکہ تم میں وہ آثار نہیں پائے جاتے جو ایک زندہ میں پائے جانے چاہییں۔

پس اس معیار کو سامنے رکھ کر تم اپنے اردگرد کے لوگوں کو دیکھو اور پھر معلوم کرو کہ کیا تم میں اور ان میں کوئی فرق پایا جاتا ہے؟ کیا تم میں ان سے زیادہ صداقت پائی جاتی ہے؟ کیا تم میں ان سے زیادہ محنت پائی جاتی ہے؟ کیا تم اُن سے زیادہ وقت کی قدر کرتے ہو؟ کیا تم ان سے زیادہ دیانتدار ہو؟ کیا تم میں ان سے زیادہ رحم پایا جاتا ہے؟ کیا تم ان سے زیادہ امین ہو؟ کیا تم ان سے زیادہ کریم ہو؟ کیا تم ان سے زیادہ عقلمند اور فہیم ہو؟ کیا تم ان سے زیادہ دُوراندیش ہو؟ اگر تمہیں جواب ملے کہ ہاں۔ ہاں۔ تو سمجھ لو کہ تم جس جگہ بھی ہو گے زندہ ہو اور سچے طور پر زندہ ہو۔ تم دریا سے باہر رہ کر گیلے ہونے کا دعویٰ نہیں کر رہے۔ تم ابھی پانی میں غوطہ لگا کر باہر آئے ہو۔ لیکن اگر ایسا نہیں تو تمہارا یہ دعویٰ افیونیوں کی طرح ہوگا جو ریت پر بیٹھ کر خیال کر لیتے ہیں کہ ان کا جسم گیلا ہے۔ اگر تم سچ مُچ پانی میں گھس جاتے ہو تو وہ لازماً تمہیں گیلا کر دے گا لیکن اگر ایسا نہیں اور تمہیں اس کا جواب نفی میں ملتا ہے تو تمہیں سوچنا چاہیے کہ جسے تم نے صداقت سمجھا ہے کیا وہ فریب اور جھوٹ تو نہیں۔ اگر تمہاری عقل کہتی ہے کہ وہ سچ ہے تو تمہیں اپنے نفس کو کہنا چاہیے اے نفس! تُو ہی جھوٹا ہے۔ تُو نے جو یہ سمجھا تھا کہ مَیں پانی میں کُود پڑا ہوں درست نہیں تُو ابھی باہر ہی کھڑا ہے۔ تُو نے ابھی عرفان کے دریا میں چھلانگ نہیں لگائی۔ اگر تم یہ سوچو تو تم میں کتنی راستی پیدا ہو جائے۔ اگر تم اس نتیجہ پر بھی پہنچ جاؤ کہ زندہ مُردہ سے بہرحال بہتر ہوتا ہے۔ تب بھی تمہارا کیریکٹر پہلے سے بہت زیادہ اونچا ہو جائے گا۔ تم پہلے سے زیادہ جدوجہد کے لیے تیار ہو جاؤ گے۔ تم پہلے سے زیادہ محنت کے لیے تیار ہو جاؤ گے

اور اپنی حالت کو پہلے سے بہتر بنانے کے لیے کوشش کرو گے اور اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو تم ایسی تاریکی میں پڑ جاؤ گے جس سے نکلنے کا تمہیں کوئی موقع نہیں ملے گا''۔

(الفضل 10؍اگست 1958ء)

---

1 : وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ (فاطر:23)

2 : ترمذی ابواب العلم باب ما جاء فی فضل الفقه علی العبادة میں یہ الفاظ ہیں ''اَلْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا''۔